اِسلام کی قوّتِ تسخیر

(پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر لمحۂ فکریہ)

جناب پروفیسر سید محمد سلیم

آج سے چودہ صدیاں قبل عرب کے انتہائی پس ماندہ، ناخواندہ اور باہم دست و گریباں قبائلی معاشرہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام یعنی اسلامی طرزِ زندگی کو پیش کیا۔ رسوم و رواج اور معاشرتی بندھنوں میں جکڑے بند لوگوں کے اندر نفرتوں، مخالفتوں اور عداوتوں کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا، جس کے نتیجے میں جنگ وجدل اور مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر بتدریج مخالفتوں کے سارے بادل چھٹ گئے، مطلع صاف ہوگیا۔ دل کے دریچے اسلام کے لیے کھُل گئے۔ ۲۳ سال کی قلیل سی مدّت میں دینِ اسلام عربی معاشرہ کا نظامِ غالب بن گیا۔ پھر اہلِ عرب دینِ اسلام کو لے کر تسخیرِ عالم کی جانب متوجہ ہوئے تو حالت یہ تھی کہ علاقے کے علاقے اور قومیں کی قومیں اسلام کے آغوشِ عاطفت میں آگئیں۔ جو قوم اُن سے ٹکرائی شکست کھا گئی، جو قوم اُن سے متصادم ہوئی پاش پاش ہوگئی۔ اس دین کا نہ کوئی حریف رہا اور نہ کوئی مدِّ مقابل۔

تاریخ کے صفحات پر یہاں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ اسلام کے اندر وہ کون سی غیر معمولی قوّتِ تسخیر پنہاں ہے جس کی وجہ سے اس کو ہر قوم پر، ہر معاشرہ پر اور ہر نظامِ فکر پر غلبہ حاصل ہوتا رہا ہے۔ دانش مندوں کے لیے عقدہ کشائی کا اچھا موقع ہے۔ جدید دَور کے مفکرین اور مؤرخین اس عقدہ کشائی میں مدّتوں سے مغز ماری کر رہے ہیں۔ ہماری حیرت کی انتہا ہو جاتی ہے جب ہم پڑھتے ہیں کہ واٹرلو کی جنگ ۱۸۱۵ء میں شکست کھا جانے کے بعد نپولین جس وقت سینٹ ہلینا کے جزیرہ میں محصور تھا

اُس وقت بھی وہ اسلام کی سُرعتِ فتوحات پر غور کرتا ہے اور رشک کرتا نظر آتا ہے (یادداشت، فرانسیسی۔ جلد ۲ ص ۱۸۳)

اسلام کی سرعتِ فتوحات کے اسباب معلوم کرنے میں ساری دشواری ہمارے ذہن کی پیدا کردہ ہے۔ آج کل ہمارے سوچنے کے انداز اور فکر کے زاویے بدل گئے ہیں۔ اس وجہ سے ہم اُس دَور کے انسانوں کے احساسات اور جذبات کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ آج انسانیت کی سب سے بڑی مصیبت یورپ ہے۔ یورپ کے حکماء، دانشور اور مفکرین نے فکر و نظر کے قافلہ کو مادّہ پرستی کے غلط راستہ پر ڈال دیا ہے۔ یورپ نے تمام دُنیا کے انسانوں کو گمراہ اور بدراہ کر دیا ہے۔ اہلِ مغرب انسان کو محض مادہ قرار دیتے ہیں۔ رُوح، ضمیر اور عقل کو بھی مادّہ کے ضمنی اور ذیلی نتائج قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے انسان کے اعمال اور افعال کے محرکات کو بھی مادی قرار دیا ہے۔ یعنی جبلتِ شہوت، جبلتِ شکم، نمود و خود نمائی اور ہم جنسوں پر غلبہ حاصل کرنا اُن کے خیال میں انسانی زندگی کے تمام اعمال و افعال کے محرکات ہیں۔ ظاہر ہے جب انسان مادّی ہو، جب اُس کے محرکاتِ عمل مادّی ہوں تو پھر انسانی زندگی کا سفر ٹھیک اسی سمت اور راہ پر ہوگا جہاں مغرب آج اس کو لے جا رہا ہے۔ اور پھر وہ ٹھیک اُسی گڑھے میں جا کر گرے گی، جہاں آج وہ گر رہی ہے۔ کسی روحانی رفعت اور اخلاقی بلند کرداری کا وہاں کیا مذکور ہو سکتا ہے۔

اسلام اہلِ مغرب کے برخلاف انسان کو روحانی مخلوق قرار دیتا ہے۔ مادّی جسم رُوح کو کاربرآری کے لیے عطا ہوا ہے۔ جسم کے گھوڑے پر رُوح سوار رہتی ہے۔ حاکم رُوح ہے گھوڑا نہیں ہے۔ نقطۂ نظر کے اس عظیم الشان فرق کے بعد اسلام کی نگاہ میں انسانی زندگی کے اعمال و افعال کے محرکات بھی محض مادّی نہیں ہیں بلکہ اخلاقی اور رُوحانی ہیں۔ اس کے لیے کسی فلسفیانہ دقیقہ سنجی کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ انسان کی روزمرہ کی گفتگو کے دو چار جملے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

دو افراد باہم لڑتے ہیں۔ ہر فرد کہتا ہے کہ یہ میرا حق ہے گویا دونوں کا مطلوب "حق" ہے
انسان جھوٹ بولتا ہے مگر کہتا ہے کہ یہ سچ ہے ۔۔۔ گویا مطلوب "صدق" ہے۔
انسان کہتا ہے یہ چیز مجھے اچھی لگتی ہے ۔۔۔ گویا مطلوب "حُسن" ہے۔

انسان کہتا ہے یہ بڑا بھلا آدمی ہے — گویا مطلوب "خیر" ہے۔
انسان کہتا ہے یہاں مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔ گویا مطلوب "طمانیت" ہے۔
یہ عام آدمیوں کی گفتگو کے چند جملے ہیں۔ اِن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ہمیشہ اخلاقی قدروں کا طلب گار رہتا ہے۔ بہر طور اور بہر رنگ انسان اقدارِ حیات کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے انسانوں کی ساری جدوجہد ساری دوڑ دھوپ ہمیشہ اقدارِ حیات کے گرد گھومتی ہیں۔ اس کا کوئی قول اور فعل ان اقدارِ حیات کی تلاش اور جستجو سے خالی نہیں رہتا۔
بلاشبہ انسان مادی خواہشوں اور جبلی تقاضوں میں گھرا ہوا ہے جو اس کے حیوانی وجود کے تقاضے ہیں۔ مگر حقیقی انسان نہ جسم ہے اور نہ جبلی تقاضے۔ حقیقی انسان روح ہے اور روح کے تقاضے ہیں۔ انسان شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر حقیقت کبریٰ کا متلاشی رہتا ہے۔ حقیقتِ کبریٰ کے بہت سارے جلوے ہیں۔ وہ عظمت و جبروت ہے۔ وہ رفعت و کمال ہے، وہ استغنا و تقدس ہے، وہ حسن و جمال ہے، وہ حق و صداقت ہے، وہ خیر و فلاح ہے، وہ سکون و طمانیت ہے۔ اقدارِ عالیہ دراصل حقیقتِ کبریٰ کے پرتو ہیں۔ یہ اسمائے حُسنیٰ کی تجلیات ہیں۔ اقدارِ حیات مادی الاصل نہیں ہیں۔ یہ عقل اور تجربہ کی استنباط کردہ نہیں ہیں۔ یہ اکتسابی نہیں ہیں بلکہ ان کی طلب انسان میں ودلیعت کردہ ہے۔ یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے انسان کو مادی قرار دیا ہے، انہوں نے کس قدر گمراہی پھیلائی ہے۔ اُن کی فکر حقیقت سے کس قدر دُور ہے اور بد راہ ہے۔
جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اقدارِ حیات کے حصول اور یافت میں افراد اور اقوام ساری عمر سرگرداں رہتی ہیں۔ انسانیت کا سفر اوّل روز سے اقدارِ حیات کی یافت کا سفر ہے تو اس بات کا سمجھنا آسان ہو گیا کہ انسان (افراد ہوں یا معاشرہ) — صرف اسی نظامِ فکر و عمل کو دل سے قبول کرتا ہے۔ جس میں اقدارِ حیات کو ارفع مقام حاصل ہو۔ انسان جلد یا بدیر اس نظامِ فکر و عمل کے خلاف بغاوت کرتا ہے، جس میں اقدارِ حیات کا کوئی مقام نہ ہو۔
حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دین اسلام کے نام سے جو نظامِ حیات پیش کیا ہے۔ وہ ان اقدارِ حیات کے عین مطابق ہے۔ وہ فطرتِ انسانی کی تشنگی کی سیرابی

کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس میں جسم کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں اور روح کی تسکین بھی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے انسانی فطرت اور انسانی روح اس دین کو فوراً قبول کرنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ فطرت جس قدر صاف اور بے داغ ہوتی ہے اُسی قدر وہ اس دین کو قبول کرنے میں پیش قدمی کرے گی۔

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی رُوح ایک مادّی جسم سے وابستہ ہے۔ مادی جسم ایک معاشرہ میں زندگی گذارتا ہے۔ معاشرہ درحقیقت ہزار ہاقسم کے روابط اور تمدنی پابندیوں کا نام ہے۔ معاشرتی انسان بہت ساری قیود میں بندھا ہوا ہوتا ہے۔ داخلی اور خارجی بہت سارے موانعات اور تعصبات اُس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انسان کو دینِ حق کے استقبال کرنے میں اور پیش قدمی کرنے میں دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ اسی وجہ سے تذبذب اور تاخیر کا ایک دَور اُس پر گذرتا ہے۔ مگر جب حق کی قوّت نافذہ موانعات اور تعصبات کے پردے چاک کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو رُوحِ انسانی اسلام کی جانب اس بے تابی سے لپکتی ہے جس طرح ایک پیاسا کنویں کی جانب لپکتا ہے۔ قبولیتِ اسلام کی راہ میں جو بھی رکاوٹیں ہیں، وہ دراصل تمدن اور معاشرت کے پیدا کردہ بندھن ہیں۔ فہم وادراک، عزم وارادہ کی قوتیں انسانوں میں متفاوت انداز میں تقسیم ہوتی ہیں۔ اس لیے ان بندھنوں کو توڑنے میں انسانوں کو مختلف انداز میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

ان معاشرتی بندھنوں اور تمدنی قیود کو توڑنے کے لیے ہی اسلام نے جہاد کو مشروع فرمایا ہے۔ مادہ پرست لوگ اسلام کے جہاد کی اصل غرض وغایت کی تہ تک رسائی حاصل نہ کرسکے اور اس کی مختلف تعبیریں شروع کردیں۔ انہوں نے عام دُنیا داروں کے نقطۂ نظر سے اس کو بھی مال ومتاع کی حرص قرار دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ :-

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اسلامی جہاد شہادتِ حق کی خاطر ہوتا ہے۔ اسلامی جہاد شہادت علی الناس کا اہم فریضہ ادا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح دین اسلام انسان کی فطری تشنگی کو سیراب کرتا ہے۔ اسلام

حق وصداقت ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے انسان کو دنیا میں ایک ذمہ دار مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا ہے۔ اس کو ہزارہا اقسام کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ایک دن ضرور وہ ان نعمتوں کا حساب لے گا۔ اس لیے انسان کو ہدایت خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیے۔ یہ وہ حق وصداقت ہے جس کو انسانی فطرت آسانی سے قبول کر لیتی ہے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے شرک و بت پرستی کا عقیدہ گھڑا ہے، اس کے قبول کرنے میں انسانی ذہن کو الجھنیں محسوس ہوتی ہیں۔ شرک اور توحید کی کشمکش میں بالآخر توحید کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ اسلام نے دنیا میں خالص توحید کا عقیدہ پیش کیا۔ نظری اعتبار سے کوئی بھی شخص توحید کا رد نہیں کر سکا۔

اسلام سکون و طمانیت ہے۔

جب انسان اسلام کی حقانیت کو قبول کر لیتا ہے تو اس کی روح کو سکون اور طمانیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایمان باللہ انسان کے قلب و دماغ کو یکسوئی اور یک رنگی، سکون اور طمانیت کی دولت عطا کر دیتا ہے۔ اس کی زندگی ہر قسم کے تضادات اور تناؤ سے پاک ہو جاتی ہے۔ قول و عمل میں توافق اور یگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔ توانائیوں کو جائز مصرف مل جاتا ہے۔ عمل کی جہت اور سمت مقرر ہو جاتی ہے۔ جس فرد اور جس معاشرہ کو یکسوئی اور طمانینت مل گئی اس کو گویا دولتِ کونین مل گئی۔ ابتدائی عہد کے صحابہ کرام اس نعمتِ بے بہا کے حامل تھے۔ ان کے مخالف کفار اور مشرکین اس دولت سے محروم تھے۔ مادی اسباب کی فراوانی اس محرومی کی تلافی نہیں کر سکتی تھی۔ اس صورت میں جب بھی اہل حق کا اہلِ کفر سے مقابلہ ہوا۔ اہلِ حق کامیاب رہے۔ اہلِ کفر ان کی پرسکون زندگیوں پر رشک کرتے تھے۔

اسلام رفعت و بے لوثی ہے

ایک دنیا دار کی نگاہ بہرحال خواہشات اور اغراض کے گرد گھومتی ہے۔ اس وجہ سے وہ تنگ نظر اور تنگ دل ہوتا ہے۔ ایمان باللہ مومن کا ذہنی افق وسیع تر کر دیتا ہے۔ اس کو مادی سطح سے بلند کر کے روحانی سطح پر پہنچا دیتا ہے۔ بظاہر ایک مومن بھی دنیادار کی طرح کاموں میں

مشغولیت رکھتا ہے مگر بباطن وہ آخرت میں اجر و ثواب کا طلب گار رہتا ہے۔ وہ رضائے الٰہی کا خواہاں ہوتا ہے۔ نقطۂ نظر کی اس تبدیلی نے اس کے دل و دماغ کی کیفیات کو تبدیل کر ڈالا۔ اس کے اندر وسعتِ قلب اور رفعتِ نگاہ اور بے لوثی کی صفاتِ عالیہ پیدا ہوجاتی ہیں ۔ رزم گاہِ حیات میں جب بھی مخلص اور بے لوث جدوجہد کرنے والے افراد کا مقابلہ اغراض پرست تنگ دل افراد سے ہوا ہے۔ ہمیشہ مخلص افراد کے قدم کامیابی نے چومے ہیں۔ عہدِ اوّل کے مسلمان، جنت کے طلب گار، ربعِ مسکوں میں دینِ حق کا جھنڈا بلند کرنے تھے۔ دُنیادار مورخ ان کے دل کی گہرائیوں میں نہ جھانک سکے۔ اور غلط طور پر اُن کی جدوجہد کو بھی حرصِ متاع و جاہ سے تعبیر کیا۔

اسلام حسن اخلاق ہے

ایمان باللہ میں مطلوب و مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے، حصولِ مطلب کے لیے مومن ہر وہ کوشش اور ہر وہ جدوجہد کرتا ہے جو حسنِ عمل کے ذیل میں آتی ہے۔ ان تمام اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کرتا ہے، جن سے بندہ کو قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ صدق و اخلاص، دیانت و امانت، رحمت و شفقت، سعی و جہد کے صفاتِ حسنہ اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اور کذب و افترا، خودغرضی و فریب، غیبت و بخل وغیرہ صفاتِ ذمیمہ سے اپنے آپ کو پاک رکھتا ہے۔ عہدِ اوّل کے مسلمان اخلاقِ حسنہ سے آراستہ تھے اور رذائل اخلاق سے دُور تھے۔ ہر حال میں خدا کی کبریائی کا اعلان کرنے والے خود ہر قسم کے نخوت و غرور سے مبرا تھے۔ ہر حال میں مخلوقِ خدا پر شفقت و مہربانی کرنے والے خود اجر و ثواب کی تمنا صرف رب تعالیٰ سے رکھتے تھے۔ جب دُنیا میں ہر جگہ اغراض پرستی اور زر پرستی کا چلن ہو، وہاں ایسے بے لوث خادمِ خلق اور مسکین طبع لوگ شبِ تاریک میں روشن ستاروں کی مانند چمکتے تھے۔ جس سرزمین میں گئے وہاں نمایاں ہوگئے۔ ان کے کردار میں مقناطیس کی کشش تھی۔ لوگ دُور دُور سے کھنچ کر اُن کی طرف آتے تھے۔ جو اُن کے قریب آیا وہ بس ان کا ہوگیا۔ افراد کا افراد سے اور معاشرہ کا معاشرہ سے جب تصادم ہوتا ہے تو بالآخر فتح حسنِ اخلاق اور حسنِ اعمال کی ہوتی ہے۔ اسی لیے مسلمان افراد اور مسلمان معاشرہ ہر جگہ فاتح اور کامیاب رہا۔

اسلام متوازن زندگی ہے

اسلام صرف عقیدہ اور اخلاق دینے پر اکتفا نہیں کرتا ہے۔ بلکہ وہ انسانوں کو زندگی بسر کرنے

کا بہترین طریقہ بھی سکھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، عملی نمونۂ زندگی اسلام کی صراط مستقیم ہے۔ یہی قانونِ شریعت ہے۔ یہ حد درجہ متوازن ہے اور حد درجہ معتدل ہے۔ اس میں جسم وجان کے مطالبے اور تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں اور اس میں رُوح اور اخلاق کے مطالبات بھی پورے ہوتے ہیں۔ اس میں ہر جہت اخلاق کو برتری حاصل ہے۔ اس کے برخلاف ذاتی فہم و فراست کے بل بوتے پر مفکرین اور فلاسفہ نے جب بھی کوئی معاشرہ تشکیل دیا ہے، جب بھی کوئی شاہراہِ حیات تجویز کی ہے، وہاں ضرور کہیں نہ کہیں جھول پایا جاتا ہے۔ امتدادِ زمانہ سے ایسے نظاموں کی انتہا پسندی ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ نوعِ انسانی کے مستقبل کے امکانات اور حال کے مؤثرات و عوامل کا احاطہ کر لینا کسی انسانی عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔ عقل اس منصب رفیع کی اہل ہی نہیں ہے۔ ایسے انتہا پسند معاشروں میں صحابہ کرام متوازن اور معتدل حسنِ معیشت و حسنِ معاشرت کا نادر تحفہ لے کر گئے۔ لوگ اس پر بھوکوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اس نے لوگوں کے دل موہ لیے۔ دل کے دریچے اُن کے لیے وا ہو گئے۔

اسلامی خلافت خدمتِ خلق ہے:

اسلام سے قبل دُنیا میں ہر جگہ بادشاہت کا طریقہ رائج تھا۔ ہر مُلک اور ہر قوم بادشاہوں کی عیاشیوں اور ستم رانیوں کا مزہ چکھ رہی تھی۔ عوام الناس ان حکمرانوں کے ہاتھوں میں بے بس کھلونا تھے، جن کی نہ عزت محفوظ نہ آبرو۔ جن کے کوئی حقوق نہ تھے۔ اسلام نے ملوکیت کا خاتمہ کر دیا اور اس کی جگہ خلافت کا نظام رائج کیا۔ طریقہ خلافت کے ذریعے اسلام نے درویشوں اور فقیروں کو تختِ شاہی پر لا کر بٹھا دیا تھا۔ ان کا رہنا سہنا عوام الناس کے برابر تھا۔ بیت المال سے ایک حبہ زائد لینا وہ حرام سمجھتے تھے۔ مُلکی معاملات میں بھی وہ اخلاق کے حد درجہ پابند تھے۔ قادسیہ کی جنگ میں ایک سپاہی نے ایرانی سپہ سالار کو امان دے دی تھی۔ خلیفہ نے اُس امان کو برقرار رکھا۔ حمص کی جنگ میں اسلامی فوج کو کسی مجبوری کی وجہ سے شہر کو خالی کرنا پڑا۔ فوراً جزیہ یعنی زرِ تحفظ، ذمیوں کو واپس کر دیا۔ دُنیا نے پہلی دفعہ قانون کی بالادستی اور معاہدات کی پابندی دیکھی۔ یہ خلفاء شریعت کے پابند تھے۔ اپنے طرزِ عمل کے لیے قانون کے سامنے جواب دہ تھے۔ بارہا قاضی کی عدالتوں میں پیش ہوئے ہیں۔ بلاشبہ ان خلفاء نے مُلکوں کو فتح کیا۔ مگر نہ مفتوح کا استحصال ہے۔

نہ تفوق و برتری ہے، بلکہ سختی سے انسانی حقوق کی پاسبانی ہے۔ عہدِ اوّل کے خلفاء اور مسلمانوں کی اس طرزِ حکومت کو دیکھ کر غیر مسلم اسلامی حکومت کو ترجیح دیتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کو جس قدر تحفظ اور آرام اسلامی مملکتوں میں حاصل تھا، اتنا ان کی اپنی حکومتوں میں بھی حاصل نہیں تھا۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی حکومت کو ترجیح دیتے تھے۔

اسلام کی قوتِ تسخیر درحقیقت مسلمان افراد، مسلمان معاشرہ، اسلامی شریعت اور اسلامی خلافت کی اخلاقی اور عملی برتری تھی جو اُن کو غیر مسلموں پر حاصل تھی۔ یہ وہ ہمہ جہت کشش اور مقناطیسی قوت تھی جو انسانوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اُن کے دل اسلام کے لیے کھل جاتے تھے۔ ابتدائی صدیوں میں اسلامی معاشرہ پر اسلامی اخلاق اور اسلامی شریعت کا غلبہ رہا ہے۔ اس وقت تک اسلام کی قوتِ تسخیر بھی بے پناہ رہی ہے۔ کوئی اس کا نہ حریف تھا نہ مدمقابل۔

آج پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر ہر سمجھدار آدمی کے سامنے یہ سوال ہے۔
اسلام کی شمشیر جگر دار اُڑا لی کس نے؟

توجہ فرمائیں

خط و کتابت کرتے وقت یا منی آرڈر روانہ کرتے وقت اپنا خریداری نمبر تحریر کریں تاکہ تعمیل میں آسانی ہو

مینجر ترجمان القرآن - اچھرہ - لاہور